حضور اکرم ﷺ بطور پیمبرِ امن وسلامتی

The Muhammad ﷺ as a Prophet of peace and security

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ*

ABSTRACT:
Peace can be defined as a state of mind of individuals and groups where everyone lives without apprehension, discomfort or fear of the other. Justice gives birth to peace; when there is justice, there is a sense of security among people. A peacemaker is one who mitigates conflicts and nurtures good will and brings about a sustainable balance to the society. Indeed, Prophet Muhammad's life was an example of living the life of a peace maker.
The absolute character of Holy Prophet ﷺ is impeccable in all characteristics and bestows an outright guidance in every step of life. It is an exemplary and pure fountain of love and mercy. His mercy is restricted not only to human beings but is also for animals and other creatures too. In this Paper will try to Discus about the character of Muhammad ﷺ as Peace and Security maker, nothing is new, you have heard them time and again, but I am asking you to look at the deeper dimension embedded into these actions in creating peace for yourselves and the people who surround you. It is essentially expanding and sharing with you what Rahmatul Aalameen, a mercy to a mankind means.
Keywords: Seerah, Peace, Security, mercy, Equality.

یہ امر کسی دلیل اور وضاحت کا محتاج نہیں کہ اندرونی وخارجی سطح پر امن وامان، ذہنی سکون، قلبی اطمینان اور جان ومال اور عزت وآبرو کے تحفظ وسلامتی کا احساس انسان کی انفرادی اور اجتماعی ضرورت ہے کیونکہ اس کی تمام معاشرتی، تعلیمی، کاروباری، سیاسی، اقتصادی، قومی اور بین الاقوامی سرگرمیاں اور بھاگ دوڑ پُرامن حالات اور پُرسکون ماحول سے مشروط ہیں۔ دنیوی اور کاروباری مساعی کے علاوہ عبادات اور مذہبی وروحانی مراسم بھی امن وامان کے بغیر ادا نہیں کیے جاسکتے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ باری تعالیٰ نے بیت اللہ / خانہ کعبہ کو مرجع الخلائق ہونے کا اعزاز بخشا تو انسانی اجتماع میں بعض شر پسند اور فسادی طبائع کی وجہ سے متوقّع دنگا فساد سے زائرین بیت اللہ کو بچانے کے لیے صرف کعبہ کی چار دیواری ہی نہیں بلکہ میلوں تک پورے حرم کعبہ کو بھی امن کا گہوارہ بنادیا۔ اب یہاں خون ریزی کی اجازت ہے نہ شکار کی نہ درخت کاٹا جاسکتا ہے نہ سبزہ وگیاہ اکھاڑا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

"وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا"۔[1]

*Editor Urdu Daira Muaarif-e-Islamia, Punjab University, Lahore.

''اور (یاد کرو) جب ہم نے اس گھر (کعبہ مکرمہ) کو لوگوں کے جمع ہونے کا مرکز اور امن کی جگہ بنایا''۔

اسی طرح حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ کی تعمیر کے بعد اپنے اہل خانہ کو وہاں بسایا تو بارگاہ الٰہی میں یوں دعا کی:

''وَ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارۡزُقۡ اَهۡلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ''۔ [2]

''اور جب (حضرت) ابراہیمؑ نے عرض کی اے میرے رب! اس شہر (مکہ مکرمہ) کو امن والا بنادے اور اس کے رہنے والوں کو طرح طرح کے پھلوں سے رزق عطا فرما''۔

قرآن مجید کی اس آیت اور بعض دیگر آیات سے مترشح ہوتا ہے کہ انسان کا رزق یا سامان معیشت کا حصول اور فراوانی بطورِ خاص معاشرتی امن کے مرہونِ منت ہیں [3]۔ امن وامان نہ ہو تو انسان کی جان ومال اور عزت وآبرو ہی نہیں روزی اور معیشت بھی داؤ پر لگ جاتی ہے۔

امن۔ایک نعمتِ الٰہی:

امن وامان کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر اللہ کریم نے معاشرتی امن اور معاشرے کے دنگا فساد، خون خرابہ اور بدامنی سے سلامتی وبے خوفی کو اپنی نعمت عُظمیٰ قرار دیا ہے۔ چنانچہ بعض مفسّرین کے نزدیک اہل مکّہ کو ہی اس نعمت کی یاددہانی کراتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ:

''وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرۡيَةً كَانَتۡ اٰمِنَةً مُّطۡمَئِنَّةً يَّاۡتِيۡهَا رِزۡقُهَا رَغَدًا مِّنۡ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتۡ بِاَنۡعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الۡجُوۡعِ وَ الۡخَوۡفِ بِمَا كَانُوۡا يَصۡنَعُوۡنَ''۔ [4]

''اور اللہ نے (ناشکرے لوگوں کے لیے) ایک بستی (مکہ) کی مثال بیان فرمائی جو امن واطمینان سے تھی، اس کا رزق اس کے پاس ہر جگہ سے بے روک ٹوک کھلا چلا آتا تھا پھر وہ (بستی والی قوم) اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے لگی (کہ اللہ کے نبی کو جھٹلایا) تو اللہ نے اس بستی (کے رہنے والوں) کو یہ سزا چکھائی کہ (ان پر سات سال قحط مسلّط کرکے) بھوک اور ڈر کو اس (کے بسنے والوں) کا اوڑھنا بچھونا بنادیا اس (کفر) کے بدلے جو وہ (ہمارے نبی کے ساتھ) کرتے تھے''۔ [5]

اسی مفہوم کی ایک دوسری آیت میں ارشادِ الٰہی ہوا:

''وَ قَالُوۡۤا اِنۡ نَّتَّبِعِ الۡهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفۡ مِنۡ اَرۡضِنَا اَوَ لَمۡ نُمَكِّنۡ لَّهُمۡ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجۡبٰۤى اِلَيۡهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىۡءٍ رِّزۡقًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَ لٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ''۔ [6]

''اور انہوں (کفّارِ مکّہ) نے کہا (اے محمدؐ!) اگر ہم (تم پر ایمان لاکر) تمہارے ساتھ ہدایت (دین اسلام) کی پیروی کریں تو تو (ہمیں ڈر ہے کہ) ہم اپنی زمین سے اُچک لیے جائیں گے (ایسا کہنے والے یہ نہیں سوچتے کہ) کیا ہم نے انہیں (مکّہ کی) امن والی محترم جگہ

میں جگہ نہیں دی۔ جس کی طرف ہماری طرف سے (ان کی) روزی کے لیے بہت سی چیزوں کے پھل لائے جاتے ہیں؟ لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے"۔ [7]

سورۃ قریش میں بھی رب تعالیٰ نے قریش مکّہ کو اسی مذکورہ نعمت عظمیٰ کی یاددہانی کراتے ہوئے انہیں اپنی بندگی کی طرف متوجّہ کیا ہے۔ [8]

زندگی میں امن وعافیت اور اطمینان وسکون کی مذکورہ ضرورت واہمیت اور افادیت کے پیشِ نظر کہا جاسکتا ہے کہ آدمی کو اگر امن وامان حاصل نہیں، اس کی ذات ہر وقت خوف اور ڈر سے دوچار ہے اور دہشت گردی کا خطرہ ہمہ وقت لاحق ہے تو دنیا بھر کی نعمتیں، مراعات، سامان تعیش حتیٰ کہ اقتدار واختیارات بھی اس کے لیے بیکار ہیں اس کے برعکس اگر وہ مال ودولت اور تعیشاتِ دنیا سے تہی دامن سہی مگر اسے امن و عافیت اور قوت لایموت حاصل ہے تو یہ چیز دنیا بھر کے خزانوں کے مترادف ہے۔ اسی لیے نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

"من اصبح منکم آمنًا فی سِرْبه معافًی فی جسده عندهٔ قوت (طعام) یومهٖ فکأنّما حیزت له الدنیا"۔ [9]

"تم میں سے جو آدمی اس حال میں صبح کرے کہ اسے اپنے گھر میں امن وامان حاصل ہو، اس کا جسم تمام بیماریوں سے محفوظ ہو، اس کے پاس اس دن کی روزی موجود ہو تو گویا ساری دنیا اس کے لیے جمع کر دی گئی"۔

معاشرے میں اگر امن وامان اور باہمی محبت واُلفت کی بجائے جنگ وجدال اور عداوت ونفرت کی فضا قائم ہے تو از روئے قرآن یہ بھی ایک قسم کا عذابِ الٰہی ہے۔ [10]

بعثتِ نبویؐ کے وقت عالمی فتنہ وفساد:

انسانیت اور انسانی معاشرے کے لیے امن وامان کے انعامِ الٰہی ہونے اور ہر جہت وحوالے سے حد درجہ ضروری ہونے کے باوجود شر پسند عناصر، فتنہ پرداز، انسان دشمن، اپنی طاقت اور اختیارات ووسائل کے بل بوتے پر ظلم وزیادتی کے خوگر، جرائم پیشہ اور فسادی قسم کے لوگوں کے کرتوتوں کے باعث دنیا نبی رحمت ﷺ کی بعثت سے قبل جس طرح فتنہ وفساد کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی اس کی طرف قرآن مجید نے اپنے معجزانہ ایجاز کے اسلوب میں یوں اشارہ کیا ہے:

"ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ" [11]

"فساد پھیل پڑا ہے خشکی اور تری میں بوجہ ان کرتوتوں کے جو لوگوں کے ہاتھوں نے سرانجام دیے تاکہ وہ (اللہ) انہیں کچھ اس کا مزہ (دنیا کی زندگی میں بھی) چکھائے جو انہوں نے (کفر ونافرمانی کا) کام کیا تاکہ وہ (نافرمانی کی روش سے) باز آجائیں"۔

آیت میں الفساد، البرّ، البحر کے تینوں کلمات میں الف، لام (ال) جنس کا ہے کوئی متعیّن برّ وبحر اور کوئی خاص صورت

فساد کی مراد نہیں[12]۔ بلکہ عام بیان ہے کسی ملک کسی زمانے کے ساتھ مقیّد نہیں تاہم اس عموم کو اس زمانہ کے ساتھ ایک خصوص بھی حاصل ہے جب یہ آیت کریم نازل ہوئی تھی۔ چنانچہ حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"وکان ظھر الفساد برًّا وبحراً وقت بعثۃ رسول اللّٰہِ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم، وکان الظلم عمّ الارض، فاظھر اللّٰہ بہ الدین، وازال الفساد، واخمدہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔[13]

"رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت خشکی اور تری (ساری دنیا) میں فتنہ وفساد غالب اور ظلم وزیادتی دنیا بھر میں عام ہو چکے تھے کہ اللہ نے حضور اکرم ﷺ کے ذریعے دینِ اسلام کو غالب فرمایا، آپ ﷺ نے فساد کو دنیا سے دور فرمایا اور اس کی پھیلائی آگ بجھائی۔ صلّی اللہ علیہ وسلم"

بعثت نبوی کے وقت دنیا بھر میں بپا ہمہ جہتی فتنہ وفساد اور ہر سو پھیلی خرابی اور جرائم کی تفصیل کا یہ موقع ہے نہ گنجائش۔ اردو سیرت نگاروں میں پیر محمد کرم شاہ الازھری نے اس موضوع پر بطورِ خاص بڑی مدلّل اور تفصیلی بحث کی ہے[14]۔ تاہم عرب میں پھیلی طوائف الملوکی، انارکی، بدامنی، قتل وغارت اور دہشت گردی کا جو نقشہ علامہ شبلی نعمانی نے کھینچا ہے اس کا درج ذیل اقتباس آیت میں مذکورہ فساد کی وضاحت کے لیے کافی ہوگا۔ چنانچہ علامہ شبلی نے تمام جزیرۂ عرب میں پھیلے مختلف قبائل اور ان کی غارت گری اور مظالم کے نتیجے میں پیدا ہونے والی عمومی صورتِ حال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ثقیف اور قریش وغیرہ کی الگ الگ ٹولیاں تھیں جو دن رات خانہ جنگیوں میں مبتلا رہتی تھیں۔ بکر و تغلب کی چہل سالہ جنگ کا ابھی ابھی خاتمہ ہوا تھا۔ کندہ اور حضر موت کے قبائل کٹ کٹ کر فنا ہو چکے تھے، اوس اور خزرج لڑ لڑ کر اپنے ایک ایک سردار کو کھو چکے تھے۔ خاص حرم اور شہر حرم میں بنو قیس اور قریش کے درمیان حرب فجار کا سلسلہ جاری تھا اور اس طرح تمام ملک معرکہ کارزار بنا ہوا تھا۔ پہاڑوں صحراؤں میں جرائم پیشہ قبائل آباد تھے تمام ملک قتل وغارت گری، سفاکی، خونریزی کے خطرات میں گھرا تھا۔ تمام قبائل غیر مختتم سلسلۂ جنگ کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ انتقام، ثأر اور خون بہا کی پیاس سینکڑوں اور ہزاروں اشخاص کے قتل کے بعد بھی نہیں بجھتی تھی۔ ملک کا ذریعہ معاش غارت گری کے بعد فقط تجارت تھی لیکن تجارت کے قافلوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ تک گزر نا محال تھا.... شہورِ حج عملاً عرب کے مقدّس مہینے تھے بایں ہمہ لڑائیوں کے جواز کیلئے وہ کبھی بڑھا اور کبھی گھٹا دیے جاتے تھے.... بہت سے جرائم پیشہ قبائل کے ذریعہ معاش کیلئے یہی موسم بہار تھا مکّہ کے آس پاس اسلم وغفار وغیرہ قبائل آباد تھے جو حاجیوں کا اسباب چرانے میں بدنام تھے طے نہایت ممتاز اور نامور قبیلہ تھا لیکن دزدان طے بھی اپنی شہرت میں ان سے کم نہ تھے الخ"[15]۔

حضور ﷺ کے نظام کا مقصد۔ عالمی امن کا قیام:

حضور اکرم ﷺ ازروئے قرآن چونکہ آفاقی اور دائمی نبی اور رحمۃ للعالمین بھی ہیں اس لیے آپ نے دنیا کو جو پیغام،

پروگرام اور حکومتی سیاسی سماجی معاشی اور معاشرتی نظام دیا اس کا ایک بڑا مقصد دنیا بھر سے ظلم و ناانصافی کا خاتمہ، انسانیت کی تعظیم و تکریم، انسان کے بنیادی حقوق کی حفاظت، تمام اسباب فتنہ کا قلع قمع اور جرائم کی بیخ کنی کے ذریعے عالمی سطح پر امن و امان کا قیام اور ہر انسان کے جان و مال اور عزت و آبرو کے لیے تحفظ و سلامتی کا سامان کرنا بھی تھا۔ چنانچہ ابتدائے اسلام میں اہل اسلام پر کفار مکّہ کے حد درجہ مظالم اور واقعات کی شکایت کرتے ہوئے حضرت خباب بن الارت نے اللہ کے رسول معظم ﷺ سے جب یہ عرض کیا کہ ''اَلَا تستنصرلنا؟ الا تدعو اللہ لنا؟'' (کیا آپ ہمارے لیے اللہ سے مدد نہیں چاہیں گے اور کیا آپ ہمارے لیے دُعا نہیں فرمائیں گے ؟) تو آنجناب ﷺ نے دین کی راہ میں پچھلی امتوں کے بعض لوگوں پر ہونے والے مظالم بیان کر کے انہیں حوصلہ دلایا اور اپنے نورِ نبوّت سے پیش گوئی بھی فرمائی کہ :

''واللہ لیتمّنّ ھذاالامر حتی یسیراکب من صنعاء الی حضر موت لایخاف الّا اللّٰہ اوالذئب علی غنمہ ولکنّکم تستعجلون''۔[16]

''اللہ کی قسم یہ معاملہ (دین اسلام) غالب ہو کر رہے گا حتیٰ کہ ایک اکیلا سوار شخص صنعاء (یمن کے ایک شہر کا نام) سے حضرت موت[17] تک اس حال میں سفر کرے گا کہ اسے اللہ کے سوا کسی (لٹیرے) کا ڈر نہ ہو گا یا اپنی بھیڑ بکریوں پر بھیڑیے کا ڈر ہو گا مگر تم جلد بازی سے کام لے رہے ہو (حوصلہ رکھو یہ وقت بھی آئے گا)''۔

اسی طرح مشہور صحابی حضرت عدیؓ بن حاتم کہتے ہیں:

''میں ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ کے پاس موجود تھا کہ آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور آپ سے (اپنی) تنگدستی کی شکایت کی پھر آپ کے پاس ایک دوسرا آدمی آیا اور اس نے رہزنی (راستوں کے محفوظ نہ ہونے) کی شکایت کی تو آنجناب ﷺ نے (مجھے مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا: اے عدی! کیا تو نے حیرہ شہر دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے اسے نہیں دیکھا البتہ اس کے متعلق سن رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو تم ضرور (یہ حالات بھی) دیکھو گے کہ ایک اکیلی اونٹ سوار عورت حیرہ (شام) سے روانہ ہو گی یہاں تک کہ (اکیلے پہنچ کر) خانہ کعبہ کا طواف کرے گی مگر اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو گا۔ میں نے دل ہی دل میں کہا کہ قبیلہ طے کے شر پسندوں کا کیا بنے گا جنھوں نے پورے علاقے میں لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ (آپ ﷺ نے مزید فرمایا) اور اگر تمہاری زندگی لمبی ہوئی تو تم ضرور بر ضرور کسریٰ (شاہ ایران) کے خزانوں کو فتح کرو گے۔ میں نے (حیران ہو کر) عرض کیا: کیا کسریٰ بن ہرمز (موجودہ شہنشاہ ایران کے خزانے)؟ فرمایا: (ہاں) کسریٰ بن ھرمز (آپ نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا) اور اگر تمہاری زندگی نے مہلت دی تو تم دیکھو گے کہ ایک آدمی مٹھی بھر سونا یا چاندی لے کر ایسے آدمی کی تلاش میں نکلے گا جو اس سے وہ قبول کرلے مگر وہ کوئی ایسا ضرورتمند آدمی نہ پائے گا جو اس سے اس مال (صدقہ) کو قبول کرلے الخ''۔[18]

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام یا نظامِ مصطفی ﷺ کا بڑا مقصد دنیا بھر میں امن و امان کا قیام معاشی خوشحالی اور بلا تفریق ہر آدمی کیلئے ایسے پُر امن حالات و ماحول مہیا کرنا ہے کسی بھی آدمی کو اپنی جان و مال یا عزت و آبرو لٹنے کا اندیشہ نہ رہے۔

حضور اکرم ﷺ کی دعوت میں امن و سلامتی مُضمر:

نبی رحمت ﷺ اپنے پروردگار کی طرف سے جس پیغام اور دعوت کو لے کر مبعوث ہوئے اس کا اصطلاحی نام ''اسلام''اور ''ایمان'' ہے۔ ان اصطلاحات کی کلامی مباحث اور تفصیل کا یہ محل نہیں۔ تاہم زیر بحث موضوع کے حوالے سے ان الفاظ کے لغوی معنی و اشتقاق کو دیکھا جائے تو اسلام کے لفظ سے ہی سلامتی ٹپکتی اور ایمان کے مادہ ہی سے امن و امان کا تصوّر رستا ہے۔ گویا حضور اکرم ﷺ کی دعوت کے الفاظ میں ہی امن و سلامتی کا پیغام مضمر ہے۔ یہاں اس اجمال کی تفصیل پر انتہائی اختصار کے ساتھ ایک نظر ڈالنا بے جا نہ ہوگا۔

چنانچہ ایمان کا مادہ اشتقاق ''اَمۡنٌ'' ہے۔ جس کا معنی ہے ہر قسم کے خوف خطرہ اور ڈر سے مامون، محفوظ اور مطمئن ہونا۔ اسی طرح اسلام کا مادہ ہے ''سِلۡم'' یعنی ہر قسم کے عیب یا نقصان سے سلامت اور حفاظت میں ہونا۔ اب جو شخص اصطلاحی ایمان اور اسلام کو قبول کرتا ہے اسے اصطلاحی و لغوی اور صرفی اعتبار سے مُؤمن و مُسلم کہیں گے۔ تو مؤمن وہ آدمی کہلائے گا جو اپنے اور دوسروں کے لیے امن چاہے اور مسلم یا مسلمان وہ ہے جو خود اپنی اور دوسروں کی سلامتی چاہے۔ اس معنی و مفہوم کی تائید درج ذیل احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

1۔ معروف صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده الخ''۔[19]

''کامل درجے میں مسلم/مسلمان وہ آدمی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے تمام مسلمان محفوظ رہیں''۔

2۔ حضرت ابو موسیٰ کہتے ہیں میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا:

''اى الاسلام افضل؟ قال من سلم المسلمون من لسانه و يده''۔[20]

''کون سا (یا کس آدمی کا) اسلام سب سے فضیلت والا (بہتر) ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی جس کی زبان (درازی) اور ہاتھ (کے ظلم) سے دوسرے جملہ مسلمان سلامت رہیں''۔

مذکورہ احادیث میں کمالِ اسلام کی علامت یہ بتائی گئی ہے کہ تمام مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ کے شر سے محفوظ رہیں جبکہ درج ذیل احادیث میں یہ بتایا کہ اس کے صرف ہم مذہب ہی نہیں بلکہ تمام لوگ اس کے مذکورہ شر سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ:

3۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا:

''ایّ المسلمین خیر؟ قال من سلم الناسُ من لسانہٖ ویدہٖ''۔[21]

''سارے مسلمانوں میں کونسا آدمی سب سے بہتر ہے؟ فرمایا جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے (بلا تفریق) تمام لوگ سلامت رہیں''۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کسی آدمی کے کمالِ اسلام کا معیار (Criteria) اس کی نماز روزہ عبادات اور ظاہری دینداری نہیں بلکہ یہ ہے کہ کسی قسم کی مذہبی لسانی نسلی گروہی نظریاتی اور مسلکی تفریق کے بغیر تمام لوگ اس کی زبان اور ہاتھ کے شر اور ظلم وزیادتی سے محفوظ رہیں۔

4۔ حضرت ابوہریرہؓ کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے ایک کامل مؤمن کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

''والمؤمن من اَمنہ الناس علی دماء ھم واموالھم''۔[22]

''کامل مؤمن وہ ایمان دار ہے جس سے تمام لوگ اپنے خون/جانوں اور اپنے مالوں کو محفوظ سمجھیں''۔

5۔ حضور اکرم ﷺ نے اہل ایمان پر واضح فرمایا کہ:

''المؤمن من امنہ الناس علی اموالھم وانفسھم الخ''۔[23]

''اور کامل درجے میں مؤمن وہ آدمی ہے جس سے لوگ اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ تصوّر کریں''۔

یہاں بھی کمال ایمان کا مدار کسی کی کثرتِ عبادت، ذکر واذکار اور ظاہری تدیّن نہیں بلکہ تمام لوگوں کا اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں اس سے محفوظ ومامون ہونا ہے۔

حضوراکرم ﷺ کی سرشت میں امن پسندی:

حضور اکرم ﷺ کی ویسے تو ساری زندگی اور اعلانِ نبوت سے پہلے اور بعد کا طرز عمل اور متعدّد اقدامات (جیسا کہ آگے آرہا ہے) امن پسندی کا منہ بولتا ثبوت ہیں جنہیں ہم آنجناب ﷺ کی حد درجہ دوراندیشی، زیرکی، باطنی بصیرت، انتہاء درجے کی عقلمندی، معاملہ فہمی اور صبر وبرداشت جیسے اوصاف حمیدہ یا نورِ نبوّت کا نتیجہ قرار دے سکتے ہیں۔ تاہم ایّام شیر خوارگی اور بالکل بچپن سے ہی آپ کے طور اطوار اور بعض عادات سے مترشح ہوتا ہے کہ امن پسندی اور صلح جوئی آپ کی سرشت اور جبلّت وفطرت میں داخل تھی۔ جس کی طرف قاضی سلیمان منصور پوری نے یوں اشارہ کیا ہے:

''نبی صلّی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے اسماء پر نظر کرو، اس زمانہ کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہوئے ہر ایک مؤرّخ تعجّب کرے گا کہ ایسے پاک نام کیوں کر رکھے گئے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ بھی ارہاصِ نبوّت تھا، جس بچے کو باپ کے خون سے عبودیت الٰہی اور ماں کے دودھ سے امن عامہ کی گھٹی ملی ہو، کچھ تعجب نہ کرنا چاہیے کہ وہ محمود الافعال حمید الصفات ہو اور تمام دنیا کی زبان سے محمد

کہلائے[24]"۔اس چیز کو اگر ہم ان الفاظ سے تعبیر کریں تو شاید بے ادبی نہ ہو گی کہ جس بچے کے نُطفے میں عبودیت الٰہی کا عنصر شامل ہو جس نے نو ماہ تک سیدہ آمنہؓ کے شکم مبارک میں امن کی تربیت پائی ہو پھر اس نے دو سال تک سیدہ حلیمہؓ کی چھاتی مبارک سے حِلم کا دودھ پیا ہو تو اس کی سرشت اور جبلّت میں بند گی، امن پسندی اور حوصلہ و برداشت کی صفات نہ ہوں گی تو اور کیا ہو گا۔ پھر آپ ﷺ کی بعض عادات اور معمولات بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں مثلاً آپ کی رضاعی ماں سیدہ حلیمہؓ آپ کو پہلی دفعہ جناب کی والدہ ماجدہ سے لے کر اپنی گود میں لینے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتی ہیں": میں آپ ﷺ کو لے کر اپنی منزل (رہائش) کی طرف آگئی، اپنی گود میں بٹھایا تو میری (خشک) چھاتی دودھ سے لبریز ہو گئی[25] میں نے چھاتی کی دائیں جانب پیش کی تو حسبِ منشا دودھ نوش فرما کر منہ ہٹالیا۔ میں نے بائیں طرف سے دودھ پلانے کی کوشش کی تو دودھ نہ پیا اور یہ عادت (بائیں طرف سے دودھ نہ پینا) بعد میں بھی جاری رہی"۔[26]

اس عادتِ محمدیہ پر علامہ سہیلی کا تجزیہ و تبصرہ یہ ہے کہ :

"گویا آپ ﷺ کو معلوم ہو چکا تھا کہ ماں کے دودھ میں آپ ﷺ کا ایک شریک بھائی بھی ہے اور عدل کرنا آپ ﷺ کی فطرت میں داخل تھا"۔[27]

اسی طرح ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے ابن سعدؒ کے حوالے سے بچپن کی ایک اور عادت کریمہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ لڑنا جھگڑنا اور بدامنی کا محرک کوئی کام کرنا آپ کی فطرت میں ہی شامل نہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"ابن سعد کے مطابق ابو طالب کے گھر میں بچوں کا ناشتہ جب آتا تو سب مل کر "لوٹ لیتے"، لیکن جب چند مرتبہ دیکھا کہ یتیم بھتیجا اس لوٹ میں شریک نہیں رہتا تو پھر آپ کا ناشتہ الگ اور مستقل دیا جانے لگا"۔[28]

علیٰ ہذا القیاس حضور اکرم ﷺ نے بچپن میں ایک مرتبہ حضرت جابر بن سمرہ کے ساتھ مل کر سیدہ خدیجہ کی ایک بہن کے اونٹ اجرت پر چرائے۔ مدت اجارہ ختم ہو گئی تو ان کا کچھ پیسہ مالکہ کے ذمہ رہ گیا۔ آپ کا مذکورہ ساتھی اس خاتون کے پاس جاتا اور مزدوری کا تقاضا کرتا۔ ایک دن اس نے آپ سے کہا: آپ بھی میرے ساتھ چلیں اور اس خاتون سے اپنی مزدوری کا مطالبہ کریں۔ فرمایا تم ہی جاؤ مجھے تو اس سے پیسے مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔ پھر جب وہ ساتھی گیا تو اس خاتون نے پوچھا: "این محمد" (محمد کہاں ہیں؟) اس نے اوپر والی بات کہہ سنائی تو وہ کہنے لگی:

"ما رأیت رجلاً اشدّ حیاءً ولا اعفّ منه"۔[29]

"میں نے ان (محمد) سے بڑھ کر کوئی آدمی حیادار اور پاکدامن نہیں دیکھا"۔

امن وسلامتی کے لیے اقدامات:

نبی رحمت ﷺ آج کل کی بعض بڑی طاقتوں اور سیاستدانوں کی طرح امن وسلامتی کے زبانی کلامی دعویدار نہیں تھے بلکہ

آپ ﷺ نے امن وسلامتی کا ایک اعلیٰ نمونہ بن کر دکھایا۔امن وسلامتی کی تعلیمات وہدایات اور بدامنی کے تمام اسباب و محرّکات کا قلع قمع کرنے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے زندگی بھر اعلان نبوت سے پہلے اور بعد امن وسلامتی اور صلح وآشتی کے لیے جو اقدامات فرمائے ان تمام کے احاطہ کی یہاں گنجائش نہیں ہوسکتی اس لیے ہم ثبوتِ دعٰوی کے طور پر چند ایک کے ہی مختصر ذکر پر اکتفا کریں گے۔

قیامِ امن اور خاتمۂ ظلم کی انجمن میں شرکت:

پیچھے گزر چکا ہے کہ عرب کا معاشرہ لڑاکا اور جنگجو قسم کا تھا۔علاوہ ازیں غریب لوگوں پر ظلم وزیادتی بڑے لوگوں کا عام وطیرہ تھا۔ملک بھر میں بدامنی، راستوں کا محفوظ نہ ہونا، مسافروں کا لٹ جانا ایک معمول بن چکا تھا۔ایسے حالات میں مکّہ ایک رئیس اور بااثر آدمی عاص بن وائل سہمی نے جب قبیلہ زبیر کے ایک اجنبی مسافر کا حق مار کر حرم کعبہ کا بھی پاس نہ کیا تو حضور اکرم ﷺ کے چچا حضرت زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک اور ایماپر قبیلہ تیم کے بزرگ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں چند قبائل کے معزّزین اور سرکردہ حضرات اس مقصد میں غور کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے۔حضور اکرم ﷺ اگرچہ اس وقت بیس سال کے نوجوان تھے[30] اور یہ عمر عام طور پر مذکورہ قسم کے قومی اور معاشرتی سنجیدہ مسائل و معاملات میں شرکت کی نہیں ہوتی مگر اس کے باوجود امن وآشتی، صلح و مصالحت، انسانی ہمدردی وخیر خواہی اور مظلوموں کی حمایت ونصرت کے فطری جذبہ کے تحت جو آپ ﷺ کے اندر انگڑائیاں لے رہا تھا، آپ ﷺ بھی اس میں شامل ہوئے۔معاشرتی امن وامان اور اطمینان وسکون کی تباہی کا بڑا سبب چونکہ کسی بھی آدمی پر ظلم وزیادتی اور حق تلفی ہوا کرتا ہے۔اس لیے اس مجلس مشاورت نے یہ پختہ عہد کیا کہ:

1۔اہل مکّہ یا باہر سے آنے والے کسی بھی آدمی پر ظلم ہوگا تو ہم ہمیشہ اس کی حمایت میں ایک ہاتھ اور طاقت بن جائیں گے۔

2۔ظالم کے خلاف یہ ہاتھ اس وقت تک اٹھا رہے گا جب تک کہ وہ مظلوم کا حق واپس نہ کردے۔[31]

3۔ہر اجنبی اور مسافر کے جان ومال کی حفاظت کریں گے۔[32]

اس معاہدہ کو ''حلف الفضول'' کے نام سے موسوم کیا گیا کیونکہ عہد قدیم میں بنو جرھم نے بھی اس قسم کا ایک معاہدہ کیا تھا اور جن تین آدمیوں نے اس معاہدہ کی تحریک کی تھی اور اسے پروان چڑھایا تھا ان تینوں کا نام فضل تھا۔کیونکہ اس معاہدہ کے بھی وہی مقاصد تھے اس لیے اس کو بھی ''حلف الفضول'' کے نام سے شہرت ملی۔جب یہ معاہدہ طے پا گیا تو سب مل کر عاص مذکور کے گھر گئے اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ اس تاجر کا مال واپس کردے۔اب اسے مجالِ انکار نہ رہی اور اس نے مجبوراً اُس کا مال واپس کردیا۔اس موقع پر حضرت زبیر بن عبدالمطلب نے یہ اعلان یا عہد کیا کہ:

ان الفضول تعاقدوا وتحالفوا

الا یقیم ببطن مکّۃ ظالم

"بیشک فضل نامی معاہدہ کرنے والوں نے قسم اٹھائی کہ سرزمین مکّہ میں کوئی ظالم نہیں ٹھہر سکے گا۔"

امر علیه تعاقدوا وتوافقوا

فالجار والمعتر فیهم سالم

"یہ ایسی بات ہے جس پر ان سب نے متفقہ معاہدہ کیا پس پڑوسی اور فقیر جو ان کے ہاں ہوگا ہر قسم کے جور و ستم سے محفوظ ہوگا"۔[33]

یہ معاہدہ چونکہ رحمت عالم ﷺ کی فطرت سلیمہ، امن پسند طبیعت اور انصاف پسند مزاج کے عین مطابق اور آنجناب ﷺ کے غمخوار دل کی آواز تھا اس لیے بعثت کے بعد بھی حضور ﷺ اس معاہدہ میں شرکت پر بڑے فخر کے ساتھ اظہارِ مسرّت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ فرمایا:

"لقد شهدت فی دار عبدالله بن جدعان حلفا ما احب ان لی به حمر النعم ولو دعی به فی الاسلام لاجبت" یعنی "کہ میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں حاضر تھا جب حلف فضول طے پایا۔ اس کے بدلے میں اگر مجھے کوئی سرخ اونٹ دے تب بھی میں لینے کیلئے تیار نہیں۔ اور اس قسم کے معاہدہ کی دعوت اسلام میں بھی اگر کوئی مجھے دے تو اسے قبول کروں گا۔"

اس قیام انجمن میں نبی رحمت ﷺ کی شرکت محض خانہ پری اور برکت کے لیے نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ نے اس میں بھرپور کردار ادا کر کے اور نوجوانوں کا ایک مسلح دستہ ساتھ ملا کر اس میں جان ڈال دی تھی۔ چنانچہ مکّہ کے ایک دولت مند تاجر نے ایک حاجی کی بیٹی اغوا کرلی تو نوجوان دستہ کی مدد سے بچی کو برآمد کرایا، اسی طرح ابو جہل نے مکّہ میں آنے والے ایک تاجر سے سامان خرید کر قیمت ادا کرنے میں لیت و لعلّ سے کام لیا تو آپ ﷺ نے اکیلے جا کر اس تاجر کو ابو جہل سے قیمت دلوائی۔[34]

حجرِ اسود کی تنصیب اور خونریزی کا سدّباب:

امن وامان کے حوالے سے حضور اکرم ﷺ کی زندگی کا دوسرا اہم واقعہ یا حیران کن اقدام جس سے آپ کی انتہائی اور خداداد ذہانت و فطانت، فہم و بصیرت اور عقلمندی کا اظہار ہوا اور جس نے اہل مکّہ کو ایک بہت بڑی متوقع خونریزی، تصادم، دنگا فساد اور لڑائی جھگڑے سے بچا لیا وہ حجرِ اسود کی تنصیب کا محیر العقول فیصلہ ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب آنجناب ﷺ کی عمر 35 سال تھی تو اس وقت اہلِ مکّہ نے معمول سے زیادہ بارشوں کی وجہ سے بیت اللہ کی عمارت منہدم ہو جانے کے باعث اسے نئے سرے سے تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ تعمیر کی تفصیل میں جائے بغیر جب عمارت مکمل ہوگئ تو حجر اسود کی تنصیب میں تنازعہ کھڑا ہوگیا۔ ہر قبیلہ کی خواہش تھی کہ یہ اعزاز اس کے حصّے میں آئے، تلواریں بے نیام ہو گئیں، چار دن تک یہی جھگڑا چلتا رہا، آخر ایک بزرگ اور عمر رسیدہ ابوامیہ بن مغیرہ کے مشورہ پر یہ فیصلہ ہوا کہ جو بھی آدمی ابھی حرم شریف میں باب الاسلام سے پہلے داخل ہوا سے اپنا حکم تسلیم کرلو وہ جو بھی فیصلہ

کرے سب کے لیے قابل قبول ہو۔

حُسنِ اتفاق ہی نہیں بلکہ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ مذکورہ باب سے سب سے پہلے داخل ہونے والے آدمی حضور اکرم ﷺ تھے۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر سب بیک زبان کہنے لگے: یہ محمد امین ہیں جو بھی فیصلہ کریں گے ہمیں قبول ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ کو قطعاً اس صورتِ حال کا علم نہ تھا۔ جب سارا معاملہ سامنے آیا تو آپ نے ایسا معتدل، منصفانہ اور حیرت انگیز فیصلہ فرمایا جس نے سب کو مطمئن کر دیا۔ حضور ﷺ چاہتے تو یہ اعزاز خود ہی حاصل کر سکتے تھے مگر ایسا نہیں کیا بلکہ ایک بڑی چادر میں حجر اسود رکھ کر تمام قبائل کے نمائندوں/سرداروں کے ہاتھوں میں چادر کے کنارے پکڑا کر اوپر اٹھانے کو کہا، سب نے مل کر چادر کو اٹھایا اور حجر اسود کو مقررہ جگہ کے سامنے لائے تو حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اٹھا کر مقررہ جگہ پر نصب فرما دیا۔ یوں حضور ﷺ نے کمال عقلمندی اور حسن تدبیر سے ایک خونخوار جنگ کا سدّباب کر دیا ورنہ یہ وہی لوگ تھے جو ذرا ذرا سی باتوں پر جنگ آزمائی سے باز نہ آتے تھے۔[35]

قریشِ مکّہ کی ایذارسانی پر صبر:

قریشِ مکّہ کی مسلسل ایذاءرسانی اور استہزاء پر حضور ﷺ کا صبر اور اہل اسلام کو ان کی اذیت رسانی پر صبر و برداشت کی تلقین بھی امن پسندی کی دلیل ہے۔ علامہ حلبی کی صراحت کے مطابق حضور ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد قریش مکّہ میں ابوجہل، ابولہب، عقبہ بن ابی معیط، حکم بن ابی العاص، عاص بن وائل، ولید بن مغیرہ، اسود بن عبد یغوث اور حارث بن قیس وغیرہ جیسے بدبخت حضور اکرم ﷺ کے ساتھ استہزاء اور اذیت پہنچانے میں پیش پیش تھے۔ یہ بدنصیب لوگ کس طرح حضور ﷺ کا مذاق اُڑاتے، بدتمیزیاں کرتے، کیسے تنگ کرتے، کیسے ستاتے، کیسے منہ چڑاتے؟ یہ دلگداز اور جگر پاش داستان سیرۃ ابن ھشام، سیرۃ حلبیہ کے علاوہ متعدّد عربی اردو کتبِ سیرت میں موجود ہے۔ جس کی تفصیل یہاں مقصود ہے نہ ممکن[36]۔ اسی طرح حضرت بلال، یاسر، عمار بن یاسر، ابوفکیہ، صہیب رومی اور حضرت خباب بن الارت اور دوسرے آزاد مسلمانوں پر جو ظلم و ستم کے ریکارڈ توڑے گئے اور جسمانی اذیتوں کی حدیں عبور کی گئیں ان کی تفصیل کی بھی یہاں گنجائش نہیں[37]۔ اس اشتعال انگیز صورتِ حال میں حضور ﷺ کا اپنے معتقدین، اپنے ماننے والوں کی جماعت اور قبائلی عصبیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کوئی جتھا بنا کر مزاحمت کی بجائے ہمیشہ صبر سے کام لینا اور ان تمام مصائب کا سہتے رہنا بھی آنجناب ﷺ کی امن پسندی کی دلیل ہے۔

ہجرت حبشہ و مدینہ۔ امن پسندی کا ثبوت:

نبوت کے پانچویں سال جب کفّار مکّہ نے مسلمانوں کو ستانے میں حد کر دی اور وہاں اپنا مذہب بچانا اور اپنے عقیدہ و نظریہ کے مطابق زندگی گزارنا ہی نہیں جان بچانا بھی مشکل ہو گیا تو نبیٔ رحمت ﷺ نے مسلمانوں کو قریبی عیسائی ملک حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت فرمادی اور فرمایا: وہاں کا بادشاہ رعایا پر ظلم نہیں کرتا چنانچہ نبی کریم ﷺ کی اجازت سے اولاً 12 مردوں 4 خواتین پر مشتمل ایک چھوٹا قافلہ حبشہ چلا گیا۔ اس قافلہ میں حضور ﷺ کے داماد حضرت عثمانؓ بن عفان اور آپ کی لختِ جگر سیدہ رقیہؓ بھی

تھیں۔ بعدازاں کوئی 83مردوں اور18عورتوں پر مشتمل مسلمانوں کا ایک بڑا قافلہ اپنا دین اور جان بچانے کی خاطر اپنا گھر بار، کاروبار اور وطن چھوڑ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گیا۔[38]

اسی طرح اہل مدینہ کی طرف سے بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ منوّرہ میں اسلام اور اہل اسلام کے لیے حالات سازگار ہونے پر نبی رحمت ﷺ نے پہلے ان مسلمانوں کو جو ابھی مکّہ سے باہر نہیں گئے تھے لیکن ان پر مصائب کے پہاڑ ڈھائے جارہے تھے یثرب (مدینہ منوّرہ) چلے جانے کی اجازت فرمادی۔ بعدازاں خود بھی مدینہ منوّرہ کی طرف ہجرت فرمائی جس کی تفصیل یہاں مطلوب نہیں[39]

یہ دونوں ہجرتیں خصوصاً ہجرت مدینہ بھی حضور اکرم ﷺ کی امن پسندی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اب تو مسلمانوں میں حضور ﷺ کے چچا حضرت امیر حمزہؓ اور حضرت عمرؓ بن خطاب جیسے رعب داب والے اور معاشرتی اثرورسوخ کے حامل لوگوں سمیت ایک معقول تعداد دائرہ اسلام میں داخل ہو چکی تھی۔ حضور چاہتے تو ہجرت کی رات اپنے گھر کے محاصرہ کے وقت حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ جیسے جان نثاروں اور دلیروں کو مقابلے میں لا سکتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے بادل نخواستہ اپنا گھر، وطن اور مکّہ مکرمہ جیسا پاکیزہ اور محبوب آبائی شہر خاموشی سے چھوڑنا قبول کر لیا مگر مکّہ مکرمہ کے پُرامن شہر اور پُرامن ماحول میں کسی قسم کی بدامنی اور فتنہ وفساد کھڑا نہ کیا۔

میثاقِ مدینہ۔ قیامِ امن کی زبردست تدبیر:

مدینہ منوّرہ ہجرت کے بعد حضور اکرم ﷺ نے وہاں قیام امن کے لیے جو بہت بڑا قدم اٹھایا اور تدبیر فرمائی وہ مدینہ منوّرہ کے اندر قیام پذیر مسلمانوں (مہاجرین وانصار)، یہودیوں، مختلف النسل لوگوں اور مختلف قبائل کے درمیان ایک تحریری معاہدہ تھا جو سیرت کی کتابوں میں ''میثاق مدینہ'' کے نام سے معروف ہے جس کا بنیادی مقصد باہمی حقوق کی پاسداری، ایک دوسرے کی اعانت، آپس میں جنگ کی ممانعت، ظلم وزیادتی کا استیصال، بیرونی حملے کی صورت میں مشترکہ دفاع، ظالم آدمی سے کسی بھی قسم کے تعاون سے گریز اور صرف مدینہ منورہ میں ہی نہیں بلکہ ارد گرد کے تمام علاقوں میں امن کا قیام تھا۔ گویا یہ ایک پُرامن بقائے باہمی (Coexistence) کا معاہدہ تھا، جس سے امن وسلامتی کا ماحول پیدا کرنے میں بڑی مدد ملی۔ سیرت کی دیگر متعدد کتابوں کے علاوہ نامور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی کتاب ''مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ'' اور ''عہد نبوی کا نظامِ حکمرانی'' میں اس کی تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس کی 48 دفعات میں سے درج ذیل چند دفعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس میں کس طرح امن وامان قائم رکھنے کے لیے تدابیر کی گئیں اور کتنی دفعات رکھی گئی تھیں۔

دفعہ 22: جو مسلمان اس تحریری دستاویز کو تسلیم کرے، اللہ اور آخرت پر ایمان رکھے اس کے لیے یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ کسی فسادی اور قانون شکن شخص کی مدد کرے یا اسے پناہ دے۔

دفعہ 45 (الف) : اگر ان لوگوں کو کہیں سے صلح کی دعوت دی جائے یا صلح میں شمولیت کا کہا جائے تو وہ اسے قبول کریں

گے اوراس میں شامل ہوں گے۔

دفعہ 48 : یہ دستاویز کسی ظالم اور مجرم کے آڑے نہیں آئے گی۔ جو شخص مدینہ سے باہر نکلے گا وہ بھی محفوظ رہے گا اور جو مدینہ میں رہے گا وہ بھی محفوظ، سوائے اس کے جو زیادتی یا جرم کرے۔

دفعہ 47 : مدینہ ایک مکمل پر امن اور محفوظ شہر رہے گا اور مسلمانوں اور یہودیوں دونوں کو آزادی ہوگی کہ چاہیں تو شہر میں رہیں اور چاہیں تو شہر سے باہر منتقل ہو جائیں۔

دفعہ 13 : اور متقی ایمان والوں کے ہاتھ ہر اس شخص کے خلاف اٹھیں گے جو ان میں سرکشی کرے یا جبراً کوئی چیز حاصل کرنا چاہے یا گناہ یا ظلم کا ارتکاب کرے یا کوئی شخص ایمان والوں میں فساد پھیلانا چاہے تو ایسے شخص کے خلاف بھی ان کے ہاتھ اٹھیں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔[40]

صلح حدیبیہ۔امن پسندی کا منہ بولتا ثبوت:

حضور اکرم ﷺ کی امن پسندی، لڑائی جھگڑے اور دنگا فساد سے گریز، امن وامان کی خاطر اپنی اَنا کو آڑے نہ آنے دینے اور صلح جوئی کا سب سے بڑا ثبوت حدیبیہ کے مقام پر اہلِ مکّہ کے ساتھ دس سال کے لئے جنگ بندی اور صلح کا تاریخی معاہدہ ہے۔اس معاہدہ کے پس منظر اور پیش آمدہ واقعات کی تفصیل حدیث وسیرت کی تمام کتابوں میں موجود ہے۔اہل علم سے یہ امر مخفی نہیں کہ اس موقعہ پر چودہ سو جان نثار صحابہ حضور ﷺ کے ہمراہ تھے جنہوں نے مر مٹنے پر دست نبوی پر بیعت بھی کر لی تھی اور جن میں وہ 313 جانباز بھی موجود تھے جنہوں نے میدانِ بدر میں اہل مکّہ کے ایک ہزار جنگجوؤں پر مشتمل مسلح لشکر کو شکست دی تھی۔ یہ مسلمان یقیناً اس پوزیشن میں تھے کہ اگر نبی اکرم ﷺ اشارہ فرمادیتے تو قریش کے نہ چاہنے کے باوجود وہ زبردستی مکّہ میں داخل ہو جاتے اور عمرہ کر کے ہی واپس ہوتے مگر آپ ﷺ نے شہرِ حرم کی حرمت، بعض بڑے مقاصد اور امن کی خاطر اہلِ مکّہ کی من مانی شرائط پر ہی جنگ کی بجائے صلح کو ترجیح دی۔

ان شرائط میں بڑی کمزوری کا مظاہرہ کیا گیا جن سے شکست خوردگی کا تاثر مل رہا تھا چنانچہ ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر قریش کا کوئی آدمی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر آپ کے پاس چلا آئے گا تو آپ ﷺ اسے واپس لوٹائیں گے اور اگر آپ ﷺ کا کوئی آدمی قریش کے پاس چلا آیا تو وہ اسے واپس نہیں بھیجیں گے۔ مسلمانوں کو یہ شرائط اور اتناد ب کر اور مرعوب ہو کر صلح کرنا ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ان میں شدید بے چینی کی فضا پیدا ہو گئی تھی حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے زیادہ دیر ضبط نہ ہو سکا اور انھوں نے ایمانی حمیت و غیرت میں حضور اکرم ﷺ کے سامنے جسارت کرتے ہوئے اپنے تحفّظات اور اشکالات کا اظہار بھی کر ڈالا جس کا انہیں زندگی بھر افسوس رہا اور اس کی تلافی کے لیے نفلی عبادات اور صدقہ خیرات بھی کرتے رہے۔ حضور اکرم ﷺ اپنے نورِ نبوّت سے اس صلح میں متعدد قسم کی فتوحات پر مشتمل جو ''فتح مبین'' اور جنگ بندی اور امن وامان کے نتیجے میں اسلام کا فروغ اور اللہ کی منشا دیکھ رہے تھے وہ

حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کو نظر نہیں آرہی تھی۔اس لیے آپ ﷺ نے ان کی تسکین اور ہر قیمت پر معاہدہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے پورے وثوق اور اللہ پر بھرپور اعتماد سے صحابہؓ پر واضح فرمایا:

''انا عبداللّٰہ ورسولُہ لن اخالف امرہ ولن یضیعنی''۔[41]

''میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔میں ہر گز اس کے حکم کے خلاف نہیں کروں گا اور وہ مجھے ہر گز ضائع نہیں ہونے گا''

سلام کہنے کی تعلیم و تلقین:

نبی رحمت ﷺ نے امن وسلامتی کے فروغ کے لئے جو متعدد اقدامات اٹھائے ان میں سے ایک بالکل آسان اور منفرد قدم جسے عمل کے ساتھ تعلیمی وتربیتی بھی قرار دیا جاسکتا ہے اور جس نے معاشرے میں امن وسلامتی کے ساتھ باہمی محبت اور پیار کو فروغ دیا اور لوگوں کو امن وسلامتی کی اہمیت بھی ذہن نشین کرائی، وہ ہے اپنے ماننے والوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ہر ملاقات کے وقت سلام (السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ) کہنے کی تعلیم و تلقین اور ترغیب۔یہ سلام اپنے لغوی اور مرادی معنی کے اعتبار سے مخاطب یا ملاقاتی کے لئے صرف زبان سے سلامتی کی دعاء ہی نہیں بلکہ متکلم کی طرف سے اس بات کا اعلان اور اقرار بھی ہے کہ تم میری طرف سے بالکل مامون اور محفوظ ہو۔میری ذات سے تمہیں کسی طرح کا ڈر اور خوف نہیں رہنا چاہیے۔تم ہر طرح سے تسلی اور اطمینان رکھو۔

یہاں سلام کے شرعی فضائل اور فقہی آداب اور احکام ومسائل کی تفصیل میں جانا مقصود نہیں بلکہ معنوی اعتبار سے اس کی ضرورت وافادیت اور اثرات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ:

''انّ رجلًا سأل رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم: ای الاسلام خیرٌ؟ قال: تطعلم الطعام وتقرء السلام علی من عرفت و من لم تعرف''۔[42]

''بیشک ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کونسا اسلام (کا عمل) سب سے بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تو (خلق خدا) کو کھانا کھلائے اور ہر اس آدمی کو سلام کہے جسے تو جانتا ہو اور جسے نہ جانتا ہو''۔

حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا اور دیگر نصوص سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ کھانا کھلانا مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں۔اسی طرح سلام کے حوالے سے بھی ''مَن'' کے اندر عموم ہے اور مخاطب کا مسلمان ہونا ضروری نہیں۔شاید اسی لیے بعض فقہاء نے غیر مسلموں کو بھی ممانعت کی بعض روایات کے باوجود سلام کی اجازت دی ہے۔[43]

دیگر مذاہب کی تصدیق وتصویب نہ کہ تکذیب:

معاشرے میں امن وسلامتی کے فروغ کے لئے اٹھائے گئے اقدامات نبوی میں سے ایک انتہائی مؤثر قدم دوسرے مذاہب کی تصدیق و تصویب بھی ہے۔بدامنی، لڑائی جھگڑا، باہمی عداوت و نفرت اور عدم تحفظ و سلامتی کا ایک بہت بڑا سبب مذہبی تعصّب یا

دوسرے مذاہب وادیان کی تکذیب اور ان مذاہب کے پیروکاروں کے مذہبی جذبات واحساسات کو ٹھیس پہنچانا ہے۔ بعثت نبوی کے وقت یہود ونصاریٰ میں مذہبی تعصب اس حد تک موجود تھا کہ ان میں سے ہر ایک اپنے سوا باقی تمام مذاہب کو جھوٹا اور نجات کے لئے کافی نہیں سمجھتا تھا۔ قرآن مجید نے ان کی اس ذہنیت اور سوچ سے اپنی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 113 (وَ قَالَتِ الْیَھُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْ ءٍ الخ) اور آیت نمبر 135 (وَ قَالُوْا کُوْنُوْا ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی تَھْتَدُوْا الخ) میں پردہ اٹھایا ہے۔

اس کے برعکس نبی رحمت ﷺ نے پیمبر امن وسلامتی ہونے کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے یہ کبھی نہیں کہا کہ دنیا کے دیگر تمام مذاہب جھوٹے اور ان کی ماننے والے جہنمی ہیں۔ بلکہ اعلان فرمایا کہ دنیا کا ہر مذہب اپنی اصل میں سچا اور خدا کی طرف لے جانے والا ہے بشرطیکہ اس میں کوئی تحریف اور حذف واضافہ نہ ہوا ہو۔ چنانچہ سورۃ البقرہ کی آیت 62 اور پھر سورۃ المائدہ کی آیت 69 میں معمولی سے لفظی فرق کے ساتھ یہ بات دہرائی گئی ہے کہ:

"بے شک جو لوگ ایمان لائے (پیغمبر اسلام پر) اور جو لوگ یہودی ہیں نیز عیسائی اور صابی مذہب والے غرض جو بھی اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک کام کرے تو ان کے لیے ان کا اجر ہے ان کے رب کے ہاں اور نہ ان پر کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمگیں ہوں گے۔"

اسی طرح 7ھ میں آپ نے قیصر روم اور شاہ حبشہ وغیرہ عیسائی حکمرانوں کے نام جو دعوتی خطوط ارسال فرمائے ان میں یہ درج نہ تھا کہ عیسائیت جھوٹا مذہب ہے اسے ترک کردو بلکہ ان میں آل عمران کی آیت 64 کا حوالہ دیتے ہوئے انہیں دعوت دی گئی کہ:

"اے اہلِ کتاب (الہامی کتاب کے ماننے والو)! آؤ ایک ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم خدا کو چھوڑ کر اپنے میں سے بعض کو رب نہ بنالیں"۔[44]

اس سے بڑھ کر صلح کل، رواداری، وسعت قلبی اور فراخ نظری کا مظاہرہ کیا ہو سکتا ہے۔ سید سلیمان ندوی کے الفاظ میں "ایک یہودی کے لیے حضرت موسیٰؑ کے سوا کسی اَور پیغمبر کو ماننا ضروری نہیں، ایک عیسائی تمام دوسرے پیغمبروں کا انکار کر کے بھی عیسائی رہ سکتا ہے، ایک ہندو تمام دنیا کو ملیچھ شودر اور چنڈال کہہ کر بھی پکا ہندو رہ سکتا ہے، ایک زرتشتی تمام عالم کو بحر ظلمات کہہ کر بھی نورانی ہو سکتا ہے اور وہ حضرت ابراہیم وموسی علیہم السلام کو نعوذ باللہ جھوٹا کہہ کر بھی دینداری کا دعویٰ کر سکتا ہے لیکن محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ ناممکن کر دیا ہے کہ کوئی ان کی پیروی کا دعویٰ کر کے ان سے پہلے کسی پیغمبر کا انکار کر سکے"۔[45]

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے زیر بحث موضوع کے حوالے سے نبی رحمت ﷺ کی امن وآشتی کی تعلیمات اور صلح کل کی پالیسی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ان آیات اسلام نے مذاہب عالم کو دعوت دی اور آج بھی وہ دعوت باقی ہے کہ اپنے ہاں کے اصلی مذہب پر رجوع کرو۔ بعد کے زمانے کے حذف واضافے سے باز آؤ اور توحید، قیامت اور عمل صالح کے سہ گانہ مابہ الاشتراک کے اوپر انضمام نہیں تو وفاق کرلو۔ ہر مذہب کی اصلی تعلیم کو مانیں تو پھر اصول کی حد تک اختلاف ہے نہیں اور چونکہ بلا استثناء ہر جگہ اور ہر مذہب و ملت میں ایک آخری تسکین دہندے کی بشارت دہی پیشین گوئی موجود ہے اس لئے اپنے مذہب کی تعمیل میں اس کی اطاعت بھی آجاتی ہے.......... اس طرح مذہبی تعصب کی مصیبت سے انسان کو نجات مل جاتی ہے اور لا کراہ فی الدین (قرآن) یعنی دین میں کسی قسم کا جبر نہیں۔ ایک ایسا سنہری اصول ہے جو اس سے پہلے کہنا چاہیے کہ سنا ہی نہیں گیا تھا۔''[46]

غزواتِ نبوی اور نقضِ امن کا شبہ:

حضور اکرم ﷺ کے غزوات کو دیکھتے ہوئے کسی ظاہر بین اور سطحی آدمی کے ذہن میں یہ خیال آسکتا ہے کہ گذشتہ تصریحات کے مطابق جب حضور اکرم ﷺ پیمبر امن و سلامتی تھے تو آپ نے بنفس نفیس کوئی 27-28 غزوات کی کمان کیوں فرمائی؟ علاوہ ازیں متعدد جنگی دستے یا مہمّیں (سرایا) کیوں بھیجی گئیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غزوات اور سرایا بھی محض اپنی جان و مال، ریاست اور دین کی حفاظت اور بچاؤ کے لئے تھے۔ چنانچہ یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ محض دعوت و تبلیغ دین کے ''جرم'' میں تیرہ سال تک اہل مکّہ کے مظالم برداشت کئے، شعبِ ابی طالب میں محصور حتیٰ کہ اپنے آبائی اور محبوب وطن اور گھر بار چھوڑنا قبول کرلیا مگر بلد امین کے امن و امان میں کسی قسم کا خلل ڈالنا پسند نہ فرمایا۔ لیکن اہل مکّہ نے خدا واسطے کے بغض اور اپنی رعونت و بڑائی کے بے بنیاد زعم میں اہل ایمان کو جب مدینہ منورہ میں بھی امن و امان سے نہ رہنے دیا، ان کے جان و مال کی سلامتی کے لئے خطرہ بن گئے تو حضور ﷺ نے یہ قدم اٹھایا۔ اگر مشرکین مکّہ کی طرف ریاست مدینہ کے امن کو سبوتاژ نہ کیا جاتا، جان بوجھ کر چھیڑ چھاڑ نہ کی جاتی، حالات خراب کرنے کی کوشش نہ کی جاتی اور مدینہ پر چڑھائی نہ کی جاتی تو شاید جنگ کی کبھی نوبت نہ آتی مگر ''تنگ آمد بجنگ آمد'' کے مصداق نبی رحمت ﷺ کو بھی میدانِ جنگ میں آنا پڑا۔ اس اجمال کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ:

1۔ حضور اکرم ﷺ اور اہل ایمان جب مکّہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ میں آگئے تو اہل مکّہ کو اب اطمینان ہو جانا چاہیے تھا کہ ''دشمن'' بھاگ گیا مگر انہوں نے جس طرح حبشہ میں مہاجرین کا پیچھا کیا اسی طرح یہاں بھی حضور ﷺ کا پیچھا کیا اور سنن ابی داؤد کے مطابق وہاں کے رئیس عبداللہ بن ابیّ کو یہ دھمکی آمیز خط لکھا کہ:

''تم لوگوں نے ہمارے آدمی کو (اپنے ہاں) پناہ دی ہے۔ ہم لوگ تمہیں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتے ہیں کہ تم لوگ ہر قیمت پر اس سے جنگ کرو یا اسے اپنے شہر سے نکال دو ورنہ ہم سب تمہاری طرف کوچ کریں گے حتیٰ کہ تمہارے ساتھ جنگ کریں گے اور تمہاری عورتیں باندیاں بنالیں گے۔ یہ خط عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی مشرکوں کو موصول ہوا تو وہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کے لیے جمع ہونے لگے۔ یہ صورتِ حال حضور ﷺ کو معلوم ہوئی تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا قریش مکہ کی جو وعید/دھمکی تمہیں

موصول ہوئی ہے وہ تمہیں اتنا نقصان نہیں پہنچائے گی جتنا تم خود اپنے آپ کو پہنچانا چاہتے ہو۔ وہ یہ کہ تم اپنے ہی بیٹوں اور بھائیوں سے جنگ کا ارادہ کر رہے ہو۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے یہ حکمت بھری بات سنی تو منتشر ہو گئے۔"[47]

2۔ حضور اکرم ﷺ کے مدینہ منورہ میں آجانے کے بعد معروف انصاری صحابی حضرت سعدؓ بن معاذ عمرہ کی نیت سے مکّہ پہنچے اور اپنے دیرینہ دوست اور مکّہ کے ایک رئیس امیہ بن خلف کے ہاں قیام کیا۔ تو اسے کہا کچھ دیر کے لیے میرے ساتھ چلو تا کہ میں بیت اللہ کا طواف کر لوں۔ دوپہر کے قریب میزبان اپنے مہمان کو لے کر نکلا تو ان دونوں سے ابو جہل کی ملاقات ہو گئی۔ ابو جہل نے امیہ سے پوچھا یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ اس نے بتایا یہ سعد (بن معاذ) ہیں تو ابو جہل نے حضرت سعد سے کہا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بڑے اطمینان سے مکّہ میں گھوم رہے ہو حالانکہ تم نے صابیوں (مسلمانوں) کو پناہ دے رکھی ہے اور یہ سمجھتے ہو کہ ان کی مدد اور اعانت کرو گے۔ قسم بخدا اگر تو ابو صفوان (امیہ) کے ہمراہ نہ ہوتا تو اپنے اہل خانہ کی طرف سلامت نہ لوٹتا۔ حضرت سعد نے گرجدار آواز میں جواب دیا: اللہ کی قسم اگر تو نے مجھے اس (عمرہ) سے روکا تو میں تمہیں اس چیز سے روک دوں گا جو تمہارے لیے اس سے زیادہ تکلیف دہ ہو گی یعنی تمہارا شام کا تجارتی راستہ بند کر دوں گا جو مدینہ سے گزرتا ہے۔[48]

3۔ غزوہ بدر سے قبل مسلمانوں اور اہل مکّہ کے درمیان کئی جھڑپیں ہوئیں جن کا سبب قریش کی غارت گری تھا۔ وہ مدینہ منورہ کے ارد گرد آکر مسلمان چرواہوں کو قتل کر دیتے اور ان کے جانور لوٹ کر لے جاتے جیسا کہ کرز بن جابر فہری نے اس طرح کی غارت گری کی تھی۔[49]

4۔ غزوہ بدر کے موقعہ پر اہلِ مکّہ ایک ہزار کے مسلح لشکر کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کرنا چاہتے تھے جنہیں حضور اکرم ﷺ نے بدر کے مقام پر روکا اور تائید ایزدی سے انہیں شکست دی۔

5۔ غزوہ احد کے موقعہ پر بھی اہلِ مکّہ تین ہزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ پر چڑھ دوڑے۔ حضور ﷺ نے اپنے دفاع میں ان سے جنگ لڑی۔

6۔ غزوہ خندق / احزاب میں بھی اہلِ مکّہ نے دیگر قبائل کو ساتھ مل کر چوبیس ہزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ منوّرہ کا گھیراؤ کیا اور حضور ﷺ نے خندق کھود کر شہر کا دفاع ممکن بنایا۔

غرض یہ ابتدائی غزوات نبوی خالصتاً اپنے دفاع میں تھے جبکہ بعد کے غزوات مثلاً غزوہ خیبر، غزوہ حنین، فتح مکّہ اور غزوہ تبوک وغیرہ میں اگرچہ پیش قدمی کی گئی مگر وہ اس لیے کہ سر پر منڈلاتے خطرات اور سازشیں مزید شدّت اختیار نہ کر جائیں اور مخالف قوتیں اس نظام یا دین کو سرے سے ختم کر دینے کی پوزیشن میں نہ آجائیں جس کی تبلیغ و نفاذ اور غلبہ کے لئے آپ تشریف لائے تھے۔ دشمن کی سازش کو ناکام بنانا اور اس کا زور توڑنا مخالف طاقت پر ظلم اور بدامنی پیدا کرنے کے زمرے میں نہیں آتا۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی نے جہاد کے بنیادی مقاصد اور غرض وغایت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے مقصد جنگ پر بار بار زور دیااور یہ ذہن نشین کرایا کہ مقصد جنگ نہ توسیع پسندی ہے نہ مقصد جنگ کسی فرد کی ذاتی خواہش کی تکمیل ہے۔جہاد کااوّلین وآخرین مقصد صرف اور صرف اسلامی دعوت کی تکمیل اور اس کے لیے اسباب فراہم کرنا ہے۔اگر دعوت کے اسباب موجود ہیں اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، مسلمانوں پر کہیں بھی مظالم نہیں ہورہے اور وہ دنیا میں ہر جگہ اپنے دین کے تقاضوں کے مطابق زندگی گزارنے میں آزاد ہیں تو اس صورت میں تلوار اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم دشمن سے مڈبھیڑ کی ازخود تمنّا اور خواہش نہ کرو بلکہ اللہ سے عافیت ہی کی دعا کرو،[50] یعنی''لا تتمنّوا لقاء العدّو و اسئلوا اللّٰہ العافیۃ''۔[51]

نقص امن کے اسباب کی ممانعت و مذمّت:

نبی رحمت ﷺ نے ہر ایسے امر سے منع فرمایااور اس کی مذمت و شدّت بیان فرمائی جو معاشرے کے امن وامان میں خلل انداز یا اشتعال انگیزی اور لڑائی جھگڑے کا باعث و سبب بن سکتا ہے اور ایسے تمام امور کی حوصلہ افزائی، فضیلت اور تعریف و توصیف بیان فرمائی ہے جو معاشرے میں باہمی محبت رواداری اور صلح وآشتی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ان تمام امور کا احاطہ یہاں ممکن نہیں۔ذیل میں زیر بحث موضوع کی وضاحت کے لیے چند امور کی طرف اشارہ کافی ہوگا۔

تنگ نظری کی ممانعت:

معاشرے میں فتنہ و فساد، خونریزی، زیادتی اور پھر بدامنی کا ایک بڑا سبب تنگ نظری ہے۔تنگ نظری کا معنی رنگ نسل وطن اور عقیدہ مذہب میں اختلاف کی بنیاد پر اپنے مخالف کو برداشت نہ کرنا۔اسے قبول نہ کرنا، اسے دیکھ نہ سکنااور اس سے زندگی کا حق بھی چھین لینے کی کوشش کرنا ہے۔نبی رحمت ﷺ نے ایک مملکت کا سربراہ ہوتے اور تمام وسائل واختیارات اور طاقت ہوتے ہوئے بھی جس طرح اپنے مخالفین اور ان کی شرارتوں اور بدتمیزیوں کو برداشت فرمایااور ان کے ساتھ وسعت قلبی، رواداری، درگزر اور صلح وآشتی کا معاملہ فرمایااس کی نظیر آسمان کی آنکھ نے نہ کبھی پہلے دیکھی تھی اور نہ آج تک دیکھ سکی ہے۔قاضی عیاضؒ اور دوسرے محدّثین وسیرت نگاروں نے آنجناب ﷺ کی ''صفت حلم'' کی وضاحت و تفصیل میں متعدّد مثالیں بیان کی ہیں۔یہاں صرف ایک بے نظیر مثال کا ذکر کافی ہوگا۔

چنانچہ نجران کے عیسائی وفد کے ساتھ مذاکرات اور گفتگو کے دوران ان کی عبادت کا وقت ہوگیا تو آپ ﷺ نے کھلے دل سے انہیں مسجد نبوی میں اپنے طریقے کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔صحابہ کرام نے انہیں روکنا چاہا تو فرمایا۔ ''دعوھم'' انہیں چھوڑ دو اور اپنے طریقے کے مطابق نماز پڑھنے دو اور پھر اسلام سے ان کے انکار کے باوجود انہیں امان نامہ بھی عنایت فرمایا۔[52]

عصبیت کی نفی:

انسانی معاشرے میں نقص امن کے اسباب و وجوہات میں سے ایک بڑا سبب عصبیت بھی ہے۔ عصبیت یہ ہے کہ آدمی کسی کی محض اس بنیاد پر حمایت کرے کہ وہ اس کی قوم اور برادری سے تعلق رکھتا ہے چاہے وہ ناحق غلط اور دوسرے پر ظلم کرنے والا ہی کیوں نہ ہو۔ حضور اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ:

"امن العصبیة ان یحبّ الرجل قومه؟"

"کیا یہ بات عصبیت میں داخل ہے کہ آدمی اپنی قوم کے ساتھ محبت رکھے"۔

فرمایا: "لا ولکن العصبیة ان ینصر الرجل قومه علی الظلم رواه احمد و ابن ماجه"۔ [53]

نہیں: " بلکہ عصبیت یہ ہے کہ آدمی ظلم وزیادتی کے معاملے میں بھی اپنی قوم کی مدد کرے"۔

نبی رحمت ﷺ نے عصبیت کے جذبہ کے قلع قمع کے لئے بطور وعید ارشاد فرمایا:

"لیس منّا من دعا الی عصبیة و لیس منّا من قاتل عصبیة و لیس منّا من مات علی عصبیة"۔ [54]

"وہ شخص ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں جس نے (دوسرے لوگوں کو) عصبیت کی طرف بلایا اور وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں جس نے محض عصبیت کی بنا پر (کسی دوسرے سے) جنگ کی اور وہ آدمی بھی ہم میں سے نہیں جو عصبیت کے جذبہ پر مر گیا"۔

احادیث میں "ما منّا" اور "لیس منّا" یا "لیس منّی" کے الفاظ حد درجہ زجر، توبیخ اور تنبیہ کے لئے آتے ہیں۔ یہ جملہ عموماً آپ کی زبان پر اس وقت آتا جب کوئی کام کفر سے قریب اور ایمان کے منافی ہوتا پھر ایک مسلمان کے لئے نبی رحمت ﷺ کی طرف سے لاتعلقی کے اعلان سے بڑھ کر بڑی بدنصیبی اور بدبختی یا سزا کیا ہوگی۔

ہتھیار کے اشارہ سے ممانعت:

کسی آدمی کی طرف اسلحہ سے اشارہ کرنے میں چاہے وہ مذاق میں ہی ہو ایک تو اس بات کا خدشہ ہے کہ مشارٌالیہ آدمی خوف زدہ ہوگا اور اچانک خوف زدہ ہونے میں انسان کو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ دوسرے اس بات کا بھی امکان ہے کہ وہ اسلحہ غیر ارادی طور پر چل جائے اور سامنے والا آدمی جان سے جائے اور یہ چیز باہمی خونریزی اور پھر معاشرے میں بدامنی کا ذریعہ بن جائے۔ اس لیے "سدّ ذریعہ" کے طور پر نبی رحمت ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمادیا۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"لایشیر احدکم الیٰ اخیه بالسلاح فانّه لایدری احدکم لعلّ الشیطان ینزع فی یده فیقع فی حفرة من النّار"۔ [55]

"تم میں سے کوئی ایک اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ شاید شیطان (اسے غصہ دلادے اور)اس کے ہاتھ میں کپکپی طاری کردے پھر وہ (بے گناہ قتل کی سزا میں) جہنم کی آگ میں جا گرے"۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں فرمایا:

"من اشار الیٰ اخیه بحدیدۃ فان الملئکۃ تلعنه حتی یدعه و ان کان اخاہ لابیه وامّه"۔[56]

"جس آدمی نے اپنے بھائی کی طرف کسی آہنی ہتھیار سے اشارہ کیا تو فرشتے اس پر لعنت (رحمت الٰہی سے دوری کی بددعا) بھیجتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس اشارہ کو ترک کردے چاہے وہ اس کا حقیقی بھائی بھی کیوں نہ ہو"۔

اب بھائی مسلمان کے علاوہ غیر مسلم بھی ہو سکتا ہے۔ گویا غیر مسلم کو بھی اس انداز میں ڈرانا دھمکانا جائز نہیں۔

ڈرانے اور خوف زدہ کرنے سے ممانعت:

کسی کو ڈرانا اور خوف زدہ کرنا بھی چونکہ انسان کے ذہنی اطمینان و سکون اور امن وامان میں خلل انداز ہوتا ہے چاہے وہ ہنسی مزاح میں ہی کیوں نہ ہو اس لیے نبی رحمت ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا:

"لایحلّ لمسلم ان یروّع مسلما"۔[57]

"کسی مسلمان کے لیے یہ بات جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کو ڈرائے کسی آدمی کا مال چھپانا بھی چونکہ اس کے لیے پریشانی اور ڈر کا سبب ہوتا ہے"۔ اس لیے حضور ﷺ نے ایسا کرنے سے بھی منع فرمایا۔ ارشاد ہوا:

"لایأخذن احدکم متاع اخیه لاعباً ولاجادًّا"۔[58]

"تم میں سے کوئی ایک اپنے بھائی کا سامان ہر گز نہ چھپائے نہ مذاق میں نہ جان بوجھ کر" ۔

یہ تو معمولی قسم کے خوف اور ڈر پیدا کرنے سے ممانعت ہے۔ بڑے پیمانے پر خلق خدا کو خوف زدہ اور ہراساں کرنا، دہشت پھیلانا، بے گناہ انسانوں کا قتل کرنا، ان پر تشدد کرنا، خود کش حملے کرنا، لوگوں کے املاک اور جائیدادیں تباہ کرنا، ان کی عزت وآبرو سے کھیلنا، ملک میں بدامنی اور انار کی پھیلانا جسے آج کی اصطلاح میں دہشت گردی (Terrorism) کہا جاتا ہے۔ اس کا دین مصطفوی میں کہاں جواز ہو سکتا ہے۔

خلاصۂ بحث:

حضور اکرم ﷺ دنیا میں ایک عالمی اور دائمی نبی کی حیثیت سے "رحمۃ للعالمین" بن کر تشریف لائے۔ اس رحمۃ للعالمینی کا لازمی تقاضا تھا کہ آپ دنیا کو امن وسلامتی کو گہوارہ بھی بنائیں۔ اس کے لئے ایک تو آنجناب ﷺ کی جبلت وفطرت میں امن وسلامتی کا جذبہ ودیعت کیا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے خلق خدا کو اللہ کا جو پیغام پہنچایا وہ اپنے معنیٰ اور تعلیمات کے اعتبار سے سراسر امن وسلامتی کا

پیغام تھا۔ چونکہ آپ ﷺ کسی مسلکی و نظریاتی، رنگ و نسل اور علاقہ کی تفریق کے بغیر ساری دنیا کے لیے رحمت بن کر تشریف لائے تھے اس لیے آپ نے معاشرے میں امن و سلامتی کے فروغ اور ہر انسان کی جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ و سلامتی کے لئے ایسے متعدد اور دور رس اقدامات فرمائے جنھوں نے کم از کم جزیرۃ العرب کو امن کا گہوارہ بنادیا۔ بعثتِ نبوی کے وقت دنیا فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ کسی کی جان محفوظ تھی نہ مال نہ عزت اور نہ راستے محفوظ تھے۔ حضور ﷺ نے ایسا ذہنی و عملی انقلاب پیدا کر دیا کہ اب اکیلی خاتون صنعاء (یمن) سے بیت اللہ کا سفر کرتی تھی اور اسے کسی رہزن کا ڈر نہ تھا۔ امن و سلامتی کے حوالے سے حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات اور ہدایات پر آج بھی عمل کیا جائے تو ساری دنیا امن و سلامتی کا گہوارہ بن سکتی ہے۔ یہ محض عقیدت کا اظہار نہیں بلکہ کھلی حقیقت ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنی تعلیمات اور اسوہ و عملی اقدامات کی رو سے بلاشبہ اور بلا مبالغہ ساری انسانیت کے لیے رحمت اور امن و سلامتی ہیں۔ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

حواشی وحوالہ جات

---

[1]البقرۃ2:125

[2]البقرۃ2:126

[3]دیکھیے: سورۃ النحل16:112؛ سورۃ القصص28:57 ؛سورۃ قریش106:4

[4]النحل16:112

[5]مفتی غلام سرور قادری: عمدۃ البیان فی ترجمۃ القرآن، عمدۃ البیان پبلشرز لاہور1428ھ/2007ء ص441

[6]القصص28:57

[7]مفتی غلام سرور قادری، ترجمہ مذکور ص640

[8]القریش106:4

[9]بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل(م256ھ)الادب المفرد باب من اصبح آمنًا فی سربہ ، دارالبشائرالاسلامیہ بیروت، 1409ھ/1989ء ص12 ارقم300؛ ترمذی، محمد بن عیسیٰ(م279ھ)الجامع (ابواب الزہد باب فی الوصف من حیزت لہ الدنیا) دارالسلام، ریاض، رقم الحدیث 2346 ،ص1887؛ابن ماجہ ابو عبداللہ محمد بن یزید (م273ھ) السنن (ابواب الزہد باب القناعۃ ،دارلسلام ریاض، ص2729 ، رقم الحدیث 4141

[10]دیکھیے: سورۃ آل عمران3:103؛ سورۃ الانعام6:65

[11]الروم 41:30

[12]دیکھیے علامہ آلوسی، ابو الفضل شہاب الدین السید محمود البغدادی (م127ھ) : روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، مکتبہ امدادیہ ملتان، جلد11، جزء21، ص48

[13]ابوحیان اندلسی الغرناطی : تفسیر البحرالمحیط(تحت آیت)، داراحیاء التراث العربی، بیروت، 1423ھ،ج7،ص228

[14]تفصیل کے لیے دیکھیے: پیر محمد کرم شاہ الازہری: ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور1420ھ،35تا374؛سید سلیمان ندوی: سیرۃ النبی(زیر عنوان شب ظلمت)الفیصل لاہور، 1991ء،ج4، ص118تا133

[15]شبلی نعمانی: سیرۃ النبی،الفیصل لاہور، 1991ء،ج2،ص8

[16]بخاری، الجامع الصحیح (کتاب المناقب باب علامات النبوۃ فی الاسلام) دارالسلام، ریاض،ص294، (رقم3612)

[17]حضرموت: یہ بڑی وادیوں میں سے ہے۔ کئی سو میل لمبی ہے۔ یمن کی طرف سے نکل کر جبال حضرت موت کے درمیان ایک بڑے حصے کو طے کرتی ہوئی جنوب مشرق کی طرف چلی جاتی ہے۔... حضرت موت اور صنعاء کے درمیان بہتر فرسخ کا فاصلہ ہے(سید فضل الرحمن: فرہنگِ سیرت، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی، اشاعت اوّل، 1424ھ/2003ء، ص103، زیر مادہ حضر موت)

[18]صحیح بخاری ،کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، طبع دارالسلام ،ریاض ،ص293، رقم3595

[19]بخاری: الصحیح (کتاب الایمان باب من سلم المسلمون من لّسانہ ویدہ طبع مذکور ص 3، رقم 10؛ مسلم بن حجاج , الجامع الصحیح ,کتاب الایمان باب بیان تفاضل الاسلام وایّ امورہ افضل، دارالسلام ,ص 687، رقم 65؛ ترمذی محمد بن عیسی: الجامع (ابواب الایمان عن رسول اللہ باب ماجاء فی ان المسلم من مسلم المسلمون من لسانہ ویدہ) دارالسلام ، ص1916 ، رقم 2627؛ نسائی: السنن کتاب الایمان باب صفۃ المؤمن، دارالسلام ریاض ، ص2410، رقم 4998

[20]حوالہ مذکور

[21]الطبرانی، المعجم الاوسط ،ج3، ص287،رقم3170

[22]نسائی، احمد بن شعیب: السنن (کتاب الایمان و شرائعہ باب صفۃ المؤمن) دارالسلام ریاض، ص2410، رقم 4998؛ ترمذی: ابواب الایمان، باب مذکور، رقم 2627

[23]ابن ماجہ ابوعبداللہ محمد بن یزید: السنن (کتاب الفتن باب حرمۃ دم المؤمن دما لہ)دارالسلام, ریاض ،ص2712، رقم 3934

[24]رحمۃللعالمین، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، س.ن،ج2،ص93

[25]لبی کے بیان کے مطابق سیدہ حلیمہ کی چھاتی کی ایک طرف تو(بھوک کے باعث) بالکل خشک ہو چکی تھی۔ حضورؐ نے اپنا بابرکت منہ لگایا تو دودھ کے فوارے بہنے لگے(سیرت حلبیہ مصر،1384ھ/1964ء،ج1،ص147)

[26]قسطلانی، احمد بن محمد (م923ھ): المواھب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ، طبع بیروت، 1991ء،ج1،ص152؛سیرت حلبیہ حوالہ مذکور

[27]السہیلی ابو القاسم عبدالرحمن بن عبداللہ (م581ھ): الروض الانف، جامعہ ازھرت۔ن ،ج1،ص187

[28]رسول اللہؐ کی سیاسی زندگی، نگارشات پبلشرز، لاہور،2008ء،ص50

[29]دیکھیے: ہیثمی، حافظ نورالدین (م807ھ): مجمع الزوائد و منبع الفوائد، مکتبہ قدسی قاہرہ ،1353ھ،ج9،ص221

[30]ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل (م 774ھ): البدایه والنهایه، مصر ،1351ھ/ 1932ء ،ج2،ص291؛ ابن جوزی، ابو الفرج عبد الرحمن (م 597ھ): المنتظم فی تاریخ الامم والملوك، بیروت ،1412ھ/1992ء،ج2،ص309

[31]ابن ہشام، ابومحمد عبدالمالك (م213ھ): سیرة النبی، قاہرہ مصر ،1352ھ/1937ء،ج1،ص145

[32]السہیل، الروض الانف، جامعہ ازھر،ت.ن،ج1،ص157

[33]ایضاً ،ج1،ص156ودیگر کتب سیرت

[34]تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: پیر محمد کرم شاہ الازھری: ضیاء النبی،ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور،1993ء، ج2،ص123تا126

[35]تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن اسحاق، محمد بن اسحاق (م151ھ): السیرة النبویة، دارالنفائس، لاہور ،ت.ن ،ج1،ص150تا 155؛ ابن کثیر: سیرة النبی (اردو ترجمہ از مولانا ہدایت اللہ ندوی) مکتبہ قدوسیہ لاہور،1996ء،ج1،ص183 ـ184؛شبلی نعمانی: سیرة النبی، ج1،ص121-122

[36]مزید تفصیل کے لئے: ابن اثیر: الکامل فی التاریخ ،بیروت، 1385ھ/1962ء،ج2،ص70-76؛ابن اسحاق: سیرة النبی،ج1، ص261-262؛مولانا ادریس کاندھلوی: سیرة المصطفیٰ،الطاف اینڈ سنز، کراچی،ت۔ن،ج1،ص213-218

[37]ابن اسحاق: سیرة النبی ،ج1،ص226-233

[38]دیکھیے: ابن هشام: سیرة النبی، قاہرہ ،1356ھ/1937ء،ج1،ص358-359 ؛ابن اثیر: الکامل فی التاریخ، ج2،ص80؛ابن قیم: زادالمعاد(اردو ترجمہ) نفیس اکیڈمی کراچی، طبع اوّل،1962ء،ج1،ص84

[39]ہجرت مدینہ کی تفصیل کے لئے دیکھیے: بخاری: الصحیح (کتاب المناقب باب ہجرة النبی واصحابه الی المدینة) قدیمی کتب خانہ کراچی، ج1،ص551-557؛مسلم: الصحیح ،ج2،ص419 (کتاب الزہد باب فی حدیث الهجره الخ) قدیمی کتب خانہ کراچی،ج2،ص419؛ الشامی، محمد بن یوسف (م943ھ): سبل الہدی والرشاد فی سیرة خیر العباد، دارالکتب العلمیه، بیروت ،1414ھ/1993ء، ج3،ص386-390؛ابن کثیر: السیرة النبویه(عربی) داراحیاء التراث العربی بیروت، لبنان،ت۔ن،ج2،ص268

[40]دکتور وهبة الزحیلی: العلاقات الدولیة فی الاسلام(اردو ترجمہ بنام بین الاقوامی تعلقات مترجم مولانا حکیم اللہ) شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد،2010ء،ص218تا222؛ مولانا مجیب اللہ ندوی: اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری،لاہور،1990ء،ص89-95

[41]تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، بخاری: الجامع الصحیح (کتاب الشروط باب الشروط فی الجهاد والمصالحة) ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ت۔ن،ج1،ص380؛مسلم: الجامع الصحیح (کتاب الجهاد والسیر باب صلح الحدیبیه) قدیمی کتب خانہ، کراچی،ت۔ن،ج2،ص26؛ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث (م275) السنن (کتاب الجهاد باب فی صلح العدو)، نور محمد کراچی،ت۔ن، ج2،ص381؛ابن قیم الجوزیه (م751ھ): زاد المعاد فی هدی خیرالعباد، مؤسسة الرسالة ،بیروت ،1405/ 1985ء،ج3،ص293؛حلبی(م1044ھ) سیرت حلبیہ(اردو ترجمہ: غزوات النبیؐ) دارالاشاعت، کراچی،2001ء،ص411

[42]بخاری: الصحیح (کتاب الادب باب السلام للمعرفة وغیر المعرفة) دارالسلام ریاض، ص525، رقم 6236؛ ابوداؤد: السنن (کتاب الادب باب افشاء السلام) دارالسلام ریاض، ص1603، رقم 5194

[43]ملاحظہ ہو:نودی، شرف الدین یحیٰ: شرح صحیح مسلم (بمع صحیح مسلم) قدیمی کتب خانہ کراچی،ج2،ص213-214؛فتاویٰ عالمگیری، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ 1403ھ/1983ء،ج5،ص325: ابن قیم: احکام اہل الذمہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت ،1423ھ،ص157

[44]دیکھیے:بخاری: الصحیح (کتاب الجہاد باب دعاء النبی آلی الاسلام و النبوۃ الخ) قدیمی کتب خانہ، کراچی،ج1،ص412-413؛ابن قیم: زادالمعاد(اردو ترجمہ)، نفیس اکیڈمی کراچی، طبع اوّل1962ء،ج1،ص100-101

[45]سیرۃالنبی طبع مذکور،ج4،ص311

[46]رسول اللہ ؐکی سیاسی زندگی، نگارشات پبلشرز لاہور، 2008ء،ص287

[47]ابوداؤد، سلیمان بن اشعث: السنن (کتاب الخراج والفیء و الامارۃ باب فی خبر النضیر) دارالسلام، ریاض، ص1449، رقم الحدیث 3004

[48]بخاری: الجامع الصحیح (کتاب المغازی باب ذکر النبی من یقتل ببدر) طبع مذکور،ص322،رقم3950

[49]شبلی نعمانی: سیرۃالنبی، طبع مذکور،ج1،ص193

[50]دیکھیے:بخاری: الصحیح (کتاب الجہاد والسیر باب کان النبی اذا لم یقاتل اوّل النہار اخّر القتال حتی تزول الشمس) دارالسلام، ص238، رقم 2966؛ مسلم: الصحیح (کتاب الجہاد والسیر باب کراھۃ تمنی لقاء العدو و الامر بالصبر عنداللقاء) دارالسلام، ص986، رقم 4542

[51]خطبات بہاولپور(2)،اسلام کا قانون بین الممالک، شریعۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، 2007ء،ص330

[52]تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ابن قیم الجوزیہ: زادالمعاد فی ہدی خیر العباد، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ،1401ھ/ 1981ء ،ج3،ص629؛ ابن کثیر: سیرۃ النبی (اردو ترجمہ) مکتبہ قدوسیہ ،اردو بازار، لاہور،ج2،ص562؛البدایہ والنہایہ، دارالمعرفۃ، بیروت،ج5،ص60-61

[53]ولی الدین خطیب تبریزی: مشکوٰۃ المصابیح (کتاب الآداب باب المفاخرۃ والعصبیۃ)المصباح لاہور،ت۔ن،ص418

[54]ابوداؤد: السنن (کتاب الادب باب۱۱۳ فی العصبیۃ) مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ج2،ص357، رقم الحدیث 5121

[55]مسلم: الصحیح (کتاب البر والصلۃ والادب باب النہی عن الاشارۃ بالسلاح الی مسلم) دارلسلام ریاض، ص1135، رقم: 2617

[56]حوالہ مذکور رقم:2616

[57]ابوداؤد: السنن (کتاب الادب باب من یأخذ الشئ من مزاح) مکتبہ رحمانیہ ،لاہور ،ج2،ص341،رقم الحدیث : 501

[58]حوالہ مذکور،رقم الحدیث: 500